Islamabad Law Review Vol. 7, Issue 1, 2023

اسلام میں ارتداد کی سزا اور بین الاقوامی انسانی حقوق: ایک تقابلی مطالعہ

Punishment of Apostasy in Islam and International Human Rights Law: A Comparative Study

مفتی شاد محمد شاد*

Abstract

In Europe, the religious liberty is proclaimed as one of the fundamental freedoms of every human being. Hence, right to change one's religion is recognized as a fundamental human right. Nevertheless, Islamic law declares it a major crime, apostasy, for which not only sever punishment has been prescribed for the offender, rather its impacts on the marital relationship and other related matters are also detailed out. In contemporary times, the punishment of apostasy has been questioned much more than any other punishments, mainly because this punishment is debated in the paradigm of Islam's worldview of other religions. Therefore, from orientalists to Muslim thinkers, everyone expressed numerous reservations regarding this punishment. The Muslim scholars have been responding to these doubts from time to time. The significance of this topic requires that the relevant provision of Universal Declaration on Human Rights (UDHR) must be analyzed through the lens of logic and principles of Islamic law. Therefore, this paper presents the notion of apostasy, nature of its punishment, opinions of scholars, and briefly compares this concept with international human rights law regime in this regard.

Keywords: | ارتداد- شرعی سزا- بین الاقوامی انسانی حقوق کا قانون- حریتِ فکر

* پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، جامعہ کراچی - رئیس الحسان اکیڈمی، اسلام آباد- shadkhan654@gmail.com

1۔ تعارف

یورپ میں کنیسہ کے ظلم وجبر کے رد عمل کے طور پر جب نئے افکار سامنے آنے لگے تو ان ہی میں سے "تبدیلی مذہب" کی آزادی کی فکر بھی شامل تھی، جس کو باقاعدہ فرد کی بنیادی آزادی قراردیا گیا اور بین الاقوامی انسانی حقوق میں اس کی مکمل چھوٹ دے دی گئی۔ لیکن اسلامی قانون میں "ارتداد" کو ایک بڑا جرم قراردیا گیا ہے اور اس پر سخت سزا مقرر کرکے ازدواجی زندگی اور دیگر معاملات پرمرتب ہونے والے اثرات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ عصرِ حاضر میں ارتداد کی سزا ،دیگر سزاؤں کی بنسبت زیادہ زیرِ بحث آئی ہے، کیونکہ ایک تو ارتداد کی سزا صرف فروعی احکام تک منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق مرتد کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے ساتھ ہے اور دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ سزا دیگر مذاہب کے بارے میں اسلام کے زاویہ نگاہ سے مربوط ہوجاتی ہے۔ اسی لیے اس سزا کے حوالے سے ایک طرف مستشرقین سے لے کر، مسلم مفکرین تک سب نے مختلف شبہات کا اظہار کیا اور دوسری طرف، علماء شریعت ان شبہات کے وقتا فوقتا جوابات دیتے آئے ہیں۔ اس پہلو کو مدنظر رکھنے سے متعلقہ موضوع کی اہمیت معلوم ہوجاتی ہے، خصوصا اقوام متحدہ کے "انسانی حقوق کے آفاقی منشور" کی متعلقہ شق کا شرعی وعقلی جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے۔ اس مقالہ میں متعلقہ موضوع کے بنیادی پہلووں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے اور ارتداد کا تعارف، شرعی سزا، اہلِ علم کی آراء اور دلائل کو مختصرا ذکر کرکے اس حوالے سے بین الاقوامی انسانی قانون کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

2-ارتداد کا مفہوم

"ارتداد" یا "ردۃ" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی واپس لوٹنے اور رجوع کرنے کے آتے ہیں۔ علامہ ابن فارس ان جیسے الفاظ کے اصولی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الراء والدال أصل واحد مطرد منقاس، وہو رجع الشيء... وسمي المرتد، لأنہ رد نفسہ إلی کفرہ.[1] یعنی راء اور دال کا ایک مستحکم و صاف اصول ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کو لوٹانے کے آتے ہیں... اور مرتد کو مرتد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کو کفر کی طرف لوٹاتا ہے۔

---

[1] احمد بن فارس زکریا ابو الحسین، معجم مقاییس اللغۃ (بیروت، لبنان، دار الفکر2002ء) 2/386۔

جہاں تک ارتداد کے اصطلاحی مفہوم کا تعلق ہے تو علماء نے اس کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے، تاہم سب کے مفہوم قریب قریب ہیں ۔ ارتداد کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کوئی مکلف مسلمان،اپنے اختیار سے دین اسلام چھوڑ کر کفر اختیار کرلے،خواہ یہ رجوع کسی کفریہ عقیدہ سے ہو، یا کفریہ قول یا فعل کی وجہ سے ہو ۔ قرآن مجید میں بھی ارتداد کا لفظ اس مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ}[2]

اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور کفر کی حالت میں مر جائیں، دنیا اور آخرت میں اس کے اعمال ضائع ہوجائیں گےاور یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔

اس حوالے سے سب سے مختصر اور جامع تعریف علامہ ابن ہمامؒ اور علامہ ابن قدامہؒ نے لکھی ہے: المرتد: ہو الراجع عن دين الاسلام إلى الكفر.[3] مرتد وہ ہے جو دینِ اسلام سے کفر کی طرف لوٹے۔ ارتداد کے مفہوم اور فقہی تفصیلات کو سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارتداد کے تین ارکان ہیں: اول قصد وارادہ ، اس کو اختیار بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان باقاعدہ اپنے اختیار اور ارادہ سے ہی دینِ اسلام سے رجوع کرلے۔ دوم مرتد، جو شخص اسلام سے کفر کی طرف لوٹتا ہے، اس کی ذات بھی ارتداد کا اساسی رکن ہے، کیونکہ اس کے بغیر ارتداد کے فعل کا کوئی تصور ممکن نہیں ہے۔سوم کفریہ تصرف، یعنی کوئی ایسا عقیدہ،قول یا فعل ہے جس کی بنیاد پر مرتد دینِ اسلام سے کفر کی طرف لوٹتا ہے، ایسے تصرف کے بغیر بھی ارتداد کا وجود ممکن نہیں ہے۔

جہاں تک ارتداد کی انواع واقسام کا تعلق ہے تو اس حوالے سے ارتداد کی تفصیلات کو سامنے رکھنے سے ارتداد کی مندرجہ ذیل تقسیمات ممکن ہیں:

---

[2] البقرۃ: 217۔

[3] محیي الدين يحيٰ بن شرف، نووی ابوزكريا ، المجموع شرح المهذب (قاہرہ، مصر، دار الكتب العلميہ، 1996ء) 19/ 223؛ محمد بن عبد الواحد و كمال الدين ابن ہمام، فتح القدير شرح الہدايۃ (بیروت،لبنان، دارالفکر 1989ء) 13/ 219۔

ذریعہ ارتداد: اس اعتبار سے ارتداد کی تین قسمیں بنتی ہیں، یعنی کفریہ عقیدہ،کفریہ قول، کفریہ فعل ۔[4]

صریح وغیر صریح: اس اعتبار سے ارتداد کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم یہ ہے کہ کوئی شخص واضح اور صریح الفاظ میں کفر اختیار کرلے اور دوسری قسم اقتضائی ہے، یعنی وہ کوئی ایسا عمل کرلے جس کے تقاضے کی بنیاد پر اسے دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے، مثلا ضروریاتِ دین کا انکار کرنا۔[5]

سببِ ارتداد: اس اعتبار سے مشہور قسمیں تین ہیں، ایک یہ کہ کوئی شخص باقاعدہ کفریہ عقیدہ کو جان بوجھ کر اور درست سمجھ کر اختیار کرلے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ کسی عناد،غصہ اور حمیت کی وجہ سے دینِ اسلام سے رجوع کرلے۔ تیسری قسم یہ ہےکہ استہزاء کی بنیاد پر اسے مرتد قراردیا جائے۔[6]

2.1 حکمِ ارتداد کی تطبیق کے ضوابط

چونکہ دوسری بحث میں، جو کہ بذات خود ایک اہم بحث ہے، ارتداد کے حکم کی تفصیل ذکر کی جائےگی، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہےکہ ارتداد کے حکم کے اطلاق وتطبیق کے لیے فقہا نے جو شرائط اور ضروری قیود ذکر فرمائی ہیں، ان کو باقاعدہ قواعد وضوابط کی شکل میں مرتب کیا جائے، تاکہ ان کا احاطہ آسان ہو اور آنے والی بحث سمجھنے میں مدد ملے۔ اگرچہ یہ قواعد وضوابط بعینہٖ انہی الفاظ میں کسی فقہ کی کتاب میں موجود نہیں ہیں، معاصر اہلِ علم اور اسکالرز نے فقہاء کی بیان کردہ تفصیلات سے ہی ان ضوابط کو اخذ کیا ہے ، جیسے دکتور تیسیر العمر نے اپنی تحقیقی کتاب "الردۃ وآثارہا:دراسۃ مقارنۃ مع القانون"میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ذیل میں ان ضوابط کا تجزیہ مختصر انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

---

[4] شہاب الدین احمد بن احمد قلیوبی، حاشیۃ قلیوبی (بیروت،لبنان، دارالفکر 1998ء) 4 /175۔

[5] محمدعرفہ دسوقی، حاشیۃ الدسوقی (بیروت،لبنان،دارالفکر 1999ء) 301/4؛ منصور بن یونس بہوتی، کشاف القناع (بیروت، لبنان، دارالفکر 1991ء) 168/6۔

[6] محمد بن ابی بکر بن ایوب، ابن قیم الجوزی، زاد المعادفی ہدی خیر العباد (بیروت، لبنان،مؤسسۃ الرسالۃ 1994ء)407/3؛ احمد،قلیوبی،حاشیۃ قلیوبی 175/4۔

پہلا ضابطہ: وجودِ شرائط اور انتفاءِ موانع

اس ضابطہ کو یوں تعبیر کیا جاتا ہے:"الردۃ تقع من المسلم المکلف شرعا مع انتفاء المانع"۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ ارتداد کا حکم وہاں لاگو ہوگا جب ایک مسلمان، مکلف شخص کفر اخیار کرلے اور وہاں ارتداد کے حکم کے لیے کوئی مانع اور رکاوٹ بھی نہ ہو۔ اس ضابطہ میں بنیادی طور پر دو اہم نکات کو جمع کیا گیا ہے: ارتداد کی شرائط اور انتفاء موانع۔

ارتداد کی شرائط: سابقہ ضابطہ میں "مسلم مکلف" سے ارتداد کی شرائط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اہلِ علم نے ارتداد کے لیے مندرجہ ذیل چار شرائط ذکر کی ہیں:

1-اسلام: اس شرط پر تقریبا تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جب کوئی شخص کفر اختیار کرتا ہے تو اس پر اس وقت ارتداد کا حکم لاگو ہوگا، جب وہ پہلے مسلمان ہواور اسلام چھوڑ کرکفر یا کوئی بھی دوسرا مذہب اختیار کرلے۔

اس بحث کے ضمن میں فقہاء نے یہ نکتہ بھی ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک کفریہ مذہب چھوڑ کر،دوسرا کفریہ مذہب اختیار کرتا ہےاور کفر سے کفر ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے تو کیا اس پر بھی ارتداد کا حکم لاگو ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں اہلِ علم کی دو آراء ہیں :1-فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اس نے جو بھی مذہب اختیار کیا ہے، اس کو اسی پر رہنے دیا جائے گا اور اسے مرتد نہیں سمجھا جائے گا۔[7] 2-فقہاء شافعیہ اور ظاہریہ کی رائے یہ ہے کہ ایسے شخص پراسلام قبول کرنے کے لیے زبردستی کی جائے گی اور اس کو اختیار کردہ کفریہ مذہب پر نہیں چھوڑا جائے گا۔[8]

پہلی رائے اختیار کرنے والے اہلِ علم نے ان آیات سے استدلال کیا ہے جن میں آیا ہے کہ کفار ایک دوسرے کے اولیاء اور دوست ہیں۔[9] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار، خواہ کسی بھی مذہب کے ہوں،

---

[7] محمد امین بن عمر ابن عابدین، رد المحتار (بیروت،لبنان،دارالفکر 1992ء) 247/4؛ ابومحمد علی بن احمد ابن حزم اندلسی، المحلی (بیروت،لبنان، دارالفکر 1990ء)194/11؛ محمد علیش،منح الجلیل شرح علی مختصر سید خلیل (بیروت،لبنان،دارالفکر 1989ء)205/4۔

[8] اندلسی، المحلی، 196/11۔

[9] سورہ انفال: 73۔

سارے دوست اور یکساں ہیں۔ اسی طرح سورہ کافرون میں بھی تمام کفار کو ایک ہی دین کے سمجھ کرخطاب کیا گیا ہے۔

دوسری رائے کے اہلِ علم نے ان عمومی دلائل سے استدلال کیا ہے جن کا تعلق اسلام سے رجوع کرنے والے مرتد کے ساتھ ہیں اور ان میں "دین" کا لفظ صرف اسلام کے ساتھ خاص نہیں کیا، بلکہ عام رکھا ہے۔اسی طرح اس آیت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جس میں یہ آیا ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو تلاش کرتا ہے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔[10]

راجح پہلی رائے ہے، کیونکہ حضرت عمررضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ :"الکفر ملۃ واحدۃ"[11]۔ اس کے علاوہ ارتداد کے کئی احکامات صرف اسلام سے کفر کی طرف منتقل ہونے والے کے ساتھ خاص ہیں اور دوسری رائے کے دلائل کا تعلق بھی خاص اسی صورت سے متعلق ہیں، جبکہ سورہ آلِ عمران کی آیت میں عدمِ قبولیت سے مراد اخروی قبولیت ہے کہ اسلام کے بعد کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی مذہب اختیار کرتا ہے،آسمانی ہو یاغیر آسمانی، آخرت میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

2-عقل: انسان کے مکلف ہونے کے لیے "عقل" ایک بنیاد اور اساس ہے، اس کے بغیر انسان سے حقوق وفرائض اور ذمہ داریوں کا مطالبہ شرعا نہیں کیا گیا۔ ارتداد کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ مرتد شخص میں عقل ہو، لہذا اگر مجنون،معتوہ یا ناسمجھ بچے سے کوئی کفریہ فعل یا قول صادر ہوتا ہے تو اس کی بنیاد پر اسے مرتد نہیں کہا جائے گا۔[12]

اگر کوئی شخص حرام نشہ کرتا ہے اور نشہ کی حالت میں ارتداد کا ارتکاب کرتا ہے تو کیا اس پر مرتد کا حکم لاگو ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، جن کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصرا اتنا ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ظاہریہ کی رائے ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ایک قول یہ

---

[10] آل عمران: 85۔

[11] ظفر احمد عثمانی، إعلاء السنن (کراچی، پاکستان، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ1997ء) 583/12۔

[12] ابن عابدین، رد المحتار، 224/4؛ عبد اللہ بن احمد ابن قدامہ المقدسی، المغنی(بیروت،لبنان، دارالفکر 1986ء) 124/8؛ ابو زکریا محیی الدین یحی بن شرف نووی، روضۃ الطالبین (شام، دمشق،المکتب الاسلامی 1986ء) 71/10۔

ہے کہ ایسا شخص مرتد نہیں کہلائے گا، جبکہ فقہاء شافعیہ، اور حنابلہ ومالکیہ کا راجح قول یہ ہے ایسے شخص پر ارتداد کا حکم لاگو ہوگا۔[13]

3-بلوغت: اگر کوئی بالغ انسان اسلام سے نکلتا ہے تو اس پر اہلیت کے مکمل ہونے کی وجہ سے ارتداد کا حکم لاگو ہوگا، جہاں تک بچے کی ردت کی بات ہے تو اسلسلے میں اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں اور ہر رائے پر کئی دلائل بھی موجود ہیں،تاہم ان آراء کا خلاصہ حسبِ ذیل دیے:

امام ابوحنیفہ اور امام محمدرحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر نابالغ بچہ ممیز اور سمجھ دار ہے توجس طرح اس کا اسلام لانا ٹھیک ہے، اسی طرح اس کی ردت بھی معتبر ہےاور اس پر ارتداد کا حکم لاگو ہوگا، البتہ اس کی سزا قتل نہیں ہے، بلکہ اس پر دوبارہ اسلام لانے کے لیے جبر وزبردستی کی جائےگی۔[14]

امام ابویوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ بچے کا اسلام لانا تو درست ہے، لیکن بلوغت سے پہلے اگر بچے سے کوئی کفریہ قول یا فعل سرزد ہوتا ہے تو اس پر ارتداد کا حکم لاگو نہیں ہوگا، کیونکہ بچہ مرفوع القلم ہے اور اس پر ارتدا د کا حکم لگانے میں اس کے لیے ضرر ہے، لہذا ایسا عمل لغو ہے۔[15]

امام شافعی اور امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ نابالغ بچے کا اسلام لانا یا اسلام سے نکلنا دونوں غیر معتبر اور لغو ہے، لہذا اس پر ارتداد کا حکم لاگو نہیں ہوگا،کیونکہ احادیث میں واضح طور پر آیا ہے کہ بچہ مرفوع القلم ہے۔[16]

4-اختیار: جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی شخص پرارتداد اور کفر اختیار کرنے کے لیے اکراہ اور زبردستی کی گئی اور اس نے کوئی کفریہ قول یا عمل کردیا تو اس پر ارتداد کا حکم لاگو نہیں ہوگا، کیونکہ قرآن میں واضح طور پر ایسے شخص کے لیے استثنائی حکم آیا ہےکہ : {إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ}[17] اور حدیث میں بھی

[13] علاء الدین سمرقندی، تحفۃ الفقہاء (قاہرہ، مصر، دارالکتب العلمیہ 1984ء)310/3؛ محمد بن ادریس الشافعی، الأم (قاہرہ، مصر، دارالمعرفۃ1978ء) 48/6؛ یحی بن شرف نووی، المغنی 148/8۔

[14] ابن ہمام، فتح القدیر، 94/6۔

[15] عثمان بن علی حنفی زیلعی، تبیین الحقائق (قاہرہ، مصر، المطبعۃ الکبری الامیریۃ1970ء) 292/3۔

[16] محمد ابن احمدسرخسی، المبسوط (قاہرہ، مصر، دارالمعرفۃ 1993ء) 120/10؛ نووی، روضۃ الطالبین77/10۔

[17] النحل: 106۔

ایسے شخص کو رخصت دی گئی ہے۔[18] امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ ایسے شخص پر ظاہری طور پر کفر کا حکم لاگو ہوگا اور کفر کے دیگر آثار بھی مرتب ہوں گے، جیسے نکاح کا ٹوٹ جانا وغیرہ۔ اس کی کچھ تفصیل "موانع" کے ضمن میں آجائے گی۔[19]

انتفاء موانع: موانع کا مطلب ایسے امور یا احوال ہیں جن کی موجودگی میں حکم لاگو نہ ہوسکے۔ شیخ رفیق العجم اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں: "ما یلزم من وجودہ عدم وجود الحکم."[20] ارتداد کے حکم کے لیے اہلِ علم نے جن موانع کا تذکرہ کیا ہے، وہ کل چار ہیں: اکراہ، جہل، خطا اور تاویل۔

1-اکراہ: ارتداد کی شرائط کے تحت یہ بات گزرچکی ہے کہ جمہور علماء کے ہاں اگر کسی پرارتداد کے لیے زبردستی کی گئی تواس پر ارتداد کا حکم لاگو نہیں ہوگا، البتہ فقہاء احناف کے ہاں یہاں اکراہ سے مراد "اکراہ ملجئ" ہے جس میں جان یا کسی عضو کے تلف وجانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ مکرہ کے پاس کچھ نہ کچھ اختیار ہوتا ہے کہ وہ کفر اور اپنی جان کے درمیان کسی ایک جہت کو اختیار کررہا ہے، اس لیے اگرچہ حقیقی طور پر وہ مؤمن رہے گا، لیکن ظاہری طور پر دنیوی احکامات کے اعتبار سے اس پر کفر کے احکامات لاگو ہوں گے، تاہم راجح قول جمہور علماء کا ہی ہے۔[21]

2-جہل: اگر کسی شخص سے لاعلمی میں کوئی کفریہ قول یا فعل صادر ہوتا ہے تو بعض مواقع پر ایسے شخص کے لیے بھی رخصت دی گئی ہے، جس کے تفصیلی احکامات کا یہ موقع نہیں ہے، تاہم خلاصہ یہ ہے کہ دارالاسلام اور مسلمانوں کے درمیان رہنے والے شخص کی طرف سے لاعلمی یا جہالت عذر نہیں ہے، لہذا اگر اس سے کفر سرزد ہوتا ہے تو اس پر ارتداد کا حکم لاگو ہوگا، البتہ اگر وہ نومسلم ہے یا دارالکفر اور کفار کے درمیان رہ رہا ہے تو ایسی صورت میں لاعلمی یا جہل عذر ہے اور اس پر فورا ارتداد کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔

---

[18] إن اللہ وضع عن أمتي الخطأ والنسیان وما استکرہوا علیہ۔ محمد بن یزیز، ابن ماجہ قزوینی، سنن ابن ماجہ (سعودیہ، مکتبہ ابی معاطی 1990ء) 659/1، حدیث نمبر:2045-

[19] ابن قدامہ، المغنی 145/8-

[20] دکتور رفیق العجم، موسوعۃ مصطلحات اصول الفقہ عند المسلمین (بیروت، لبنان، مکتبہ لبنان ناشرون 1998ء) 1305/2-

[21] علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی، بدائع الصنائع (قاہرہ، مصر، دارالکتب العلمیہ 1986ء) 485/9-

علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: فان کان ممن لا یعرف الوجوب کحدیث الاسلام والناشیء بغیر دار الاسلام أو بادیۃ بعیدۃ عن الامصار وأہل العلم لم یحکم بکفرہ.[22] اگر کوئی شخص ایسا ہے جسے وجوب کا علم ہی نہ ہو، جیسے نیا نیا مسلمان ہوا ہو یا دار الاسلام کے علاوہ کسی اور ملک میں پرورش پائی ہو یا شہر سے دور کسی گاوں میں پلا بڑھا ہو تو اہلِ علم ایسے شخص پر کفر کا اطلاق نہیں کرتے۔

3-خطا: اس بات پر تقریبا اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے غلطی سے کوئی کفریہ قول یا عمل کرلیا تو اس پر ارتداد کا حکم لاگو نہیں ہوگا، کیونکہ ایسی صورت میں قصد وارادہ نہیں ہے اور نصوص سے عمومی طور پر خطا کو معاف قراردیا گیا ہے۔[23]

4-تاویل: تاویل کا مفہوم یہ ہے کہ کسی لفظ کو ظاہری معنی سے ہٹاکر کسی دوسرے ایسے معنی پر محمول کرنا جس کا احتمال لفظ میں موجود ہو۔اگر کوئی شخص نصوص میں ایسی تاویل کرتا ہے تو اس کی بنیاد پر اس پر ارتداد کا حکم لاگو نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس کی تاویل شریعت کے قطعی عقائد اور قرآن وسنت کے عمومی احکام اور قواعد کے خلاف نہ ہو، ورنہ اس کی تاویل کو قبول نہیں کیا جائے گا، جیسے قادیانی ختمِ نبوت کے مفہوم میں ایسی تاویل کرتے ہیں جو شریعت کے عام قواعد اور قطعی عقیدہ کے خلاف ہے۔[24]

دوسرا ضابطہ: ارتداد کا ثبوت شرعی طریقے سے ہو

اس ضابطہ کی تعبیر یوں کی جاتی ہے: "یجب اتباع الطریقۃ الشرعیۃ في إثبات الردۃ"۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ارتداد کو ثابت کرنے ے لیے باقاعدہ شرعی طریقے کی اتباع ضروری ہے۔ چونکہ ارتداد کا تعلق بھی حدود کے ساتھ ہے، اس لیے حدود میں اثباتِ جرم کا جو شرعی طریقہ بیان کیا گیا ہے،اسی طریقے پر عمل کرکے ہی کسی شخص پر ارتداد کا حکم لاگو ہوسکتا۔ ارتداد کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ باقاعدہ قاضی کے سامنے مندرجہ ذیل دو ذرائع میں سے کسی ایک ذریعے سے ثابت ہوجائے:

1-اقرار: مجرم خود اپنے جرم کا اقرار کرلے تو قاضی اس پر ارتداد کا حکم لاگو کرے گا۔

---

[22] ابن قدامہ، المغنی 10/ 82-

[23] محمد الخطیب شربینی، مغنی المحتاج (بیروت، لبنان، دارالفکر1990ء) 4/135-

[24] محمد انور شاہ کشمیری، فیض الباری شرح صحیح البخاری (قاہرہ، مصر، دارالکتب العلمیہ، 2005ء) 4/373-

2-شہادت: اگر دو عاقل، بالغ مرد کسی شخص کے ارتداد پر گواہی دے دے تو قاضی ان کی گواہی کی جانچ پڑتا کے بعد ارتداد کا حکم لاگو کرے گا، تاہم امام حسن بصریؒ نے چار گواہوں کی شرط عائد کی ہے۔ اس سلسلے میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔[25]

تیسرا ضابطہ: مرتد کو توبہ کی پیشکش اور مہلت دی جائے

اس ضابطہ کی تعبیر یوں اختیار کی جاتی ہے"وقع الاختلاف فی استتابۃ المرتدعرضا وإمہال"۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مرتد کو توبہ کی پیشکش کرنے اور توبہ کی مہلت دینے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ اس ضابطہ کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب کوئی شخص ارتداد کا ارتکاب کرلیتا ہے تو کیا اس پر ارتداد کا حکم لگانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس نے باقاعدہ "کفر کی نیت اور قصد" کی ہو یا صرف کفریہ قول یا فعل کو اپنے اختیار اور ارادہ سے ادا کرنا کافی ہے؟ اس مسئلہ میں اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں:

1-فقہاء شافعیہ اور ظاہریہ کی رائے یہ ہے کہ صرف کفریہ قول یا فعل میں ارادہ کافی نہیں ہے، بلکہ باقاعدہ کفر کی نیت اور قصد بھی ضروری ہے۔[26]

2-فقہاء حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ کسی پر ارتداد کا حکم لاگو کرنے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ اس نے اپنے اختیار سے کوئی کفریہ قول یا فعل اختیار کیا ہو، خواہ کفر کا قصد اور نیت ہو یا نہ ہو۔[27]

اس اختلاف کو سمجھنے کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ارتداد کا ارتکاب کرلیتا ہے، اس پر ارتداد کا حکم شرعی طریقے سے ثابت بھی ہوجاتا ہے تو کیا اس کو فوری طور پر سزا دی جائے گی یا اس کو توبہ کے لیے مہلت دی جاسکتی ہے؟ کیا اس کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے؟اگر ہاں ، تو اس کو توبہ کی مہلت دینا

---

[25] ابن قدامہ،المغنی 141/8۔

[26] شمس الدین محمد بن ابی العباس شافعی رملی، نہایۃ المحتاج (قاہرہ،مصر،دارالفکر 1984ء) 394/7، ابن حزم، المحلی 200/10۔

[27] بہوتی،کشاف القناع 168/6،ابن ہمام ، فتح القدیر407/4۔

صرف جائز ہے یا واجب؟ اس قسم کے مسائل میں اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں اور انہی کی طرف سے ذکر کردہ ضابطہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے می اہلِ علم کی تین راء ہیں:

1-فقہاء مالکیہ اورحنابلہ وشافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ مرتد کو توبہ کی پیشکش اور مہلت دینا واجب ہے۔یہی قول ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کی طرف بھی منسوب ہے۔[28] ان حضرات نے توبہ سے متعلق عام قرآنی آیات اور خاص ارتداد کی صورت میں استتابہ کے بارے میں منقول صحابہ کے آثار سے استدلال کیا ہے۔[29]

2-حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ مرتد کو توبہ کی پیشکش اور مہلت دینا مستحب ہے،واجب نہیں ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کا بھی ایک ایک قول یہی ہے۔ یہ قول طاووس، حسن بصری رحمہم اللہ کی طرف بھی منسوب ہے۔[30] انہوں ان تمام واقعات وآثار سے استدلال کیا ہے جن میں توبہ کرنے والوں کو تو معاف کیا گیا، لیکن دیگر مرتدین کو استتابہ کے بغیر ہی سزا دے دی گئی۔ صحابہ سے بھی مختلف آراء منقول ہیں، بعض نے عدمِ استتابہ اور بعض نے استتابہ کا قول اختیار کیا ہے، اس لیے دونوں قسم کے اقوال میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ استتابہ مستحب ہے، لیکن واجب نہیں ہے۔

3-ظاہریہ کی رائے یہ ہے کہ مرتد کو توبہ کی پیشکش اور مہلت دینا ممنوع ہے، بلکہ اسے فورا سزا دی جائےگی۔ یہی قول امام احمدؒ کی طرف بھی منسوب ہے۔ انہوں نے ان قرآنی نصوص سے استدلال کیا ہے جن میں مرتد کے اعمال کے ضائع ہونے اور ہمیشہ کے لیے جہنم کی سزا کاتذکرہ ہے۔[31] اسی طرح جن احادیث میں یہ آیا ہے کہ "جس نے اپنا دین بدلا،اسے قتل کردو" سے بھی انہوں نے استدلال کیا ہے۔[32] لیکن یہ رائے بظاہر دو وجوہات کی بنیاد پر کمزور ہے:

---

[28] ابوالحسن علی بن محمد ماوردی، الحاوی الکبیر (قاہرہ،مصر،دارالکتب العلمیہ 1994ء)179/13-

[29] التوبۃ: 5؛ آل عمران: 89؛ ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، مصنف عبد الرزاق (شام، دمشق، المکتب الاسلامی 1980ء) 170/10، حدیث نمبر:18710-

[30] سرخسی، المبسوط 99/10، ابن قدامہ، المغنی 124/8-

[31] البقرۃ:217-

[32] احمد بن علی ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری (قاہرہ، مصر، دارالمعرفۃ 1990ء)267/12-

1۔ان کی پیش کردہ نصوص کا ظاہری مفہوم دیگر ان نصوص کے معارض ہیں جن میں توبہ کے بعد مغفرت کا ذکر آیا ہے ، اس لیے ان نصوص کا ایسا مفہوم مراد لیا جائے جو دیگر نصوص کا معارض نہ ہو کہ اس سے مراد توبہ نہ کرکے ارتداد پر مصر رہنے والے شخص کی سزا ہے۔

2۔ خودآپ ﷺ کے عمل سے بھی مرتد کی توبہ کی قبولیت ثابت ہے۔[33] توبہ کی پیشکش کی تعداد میں بھی علماء کی آراء مختلف ہیں، اکثر اہلِ علم کے ہاں تین بار مرتد سے توبہ کرنے کا کہا جائے گا۔

چوتھا ضابطہ: ارتداد یقینی ہواور دلیل موجود ہو

اس ضابطہ کی تعبیر یوں ہے "یجب التیقن من الارتداد مع قیام الدلیل الشرعي"۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص پر ارتداد کا حکم لگانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ارتداد کا یقین ہوجائے اور اس پر باقاعدہ شرعی دلیل موجود ہو۔ ارتداد ایک عظیم جرم ہے، جس کا اثر نہ صرف مرتد کے معاشرتی حقوق اور معاملات پر پڑتا ہے، بلکہ اس پر دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا اور سخت ترین سزا کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ اس لیے اس سلسلے میں مکمل احتیاط اور اعتدال سے کام لینا نہایت ضروری ہے، کیونکہ کسی مسلمان پر کفر کا حکم لگانے انتہائی خطرہ کا باعث اور بڑا گناہ ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات ذہن میں رکھنا ضروری ہیں:

1۔ یہ ضروری ہے کہ جس قول یا فعل کی بنیاد پر ارتداد کا حکم لاگو کیا جارہا ہے وہ یقینی طور پر کفریہ قول یا کفریہ فعل ہو، اگر اس کے کفریہ ہونے یا نہ ہونے میں شک ہو تو اس کی بنیاد پر ارتداد کا حکم لاگو نہیں کیا جائے گا۔[34]

2۔ایسا قول یا فعل جس میں کفر اور غیر کفر،دونوں کا احتمال اور تاویل ممکن ہو تو اس کی بنیاد پر بھی کفر کا حکم لاگو نہیں کیا جائے گا، بلکہ صاحبِ قول وفعل سے وضاحت طلب کی جائےگی۔[35]

---

[33] ابوعبد الرحمن احمد بن شعیب، سنن نسائی (قاہرہ، مصر، دارالمعرفۃ 1999ء) 107/7، حدیث نمبر:2869۔

[34] زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم، البحر الرائق (عمان،دارالکتاب الاسلامی 1999ء) 134/5۔

[35] عبد الرحمن بن محمد شیخی زادہ، مجمع الأنہر (قاہرہ،مصر، دارالکتب العلمیۃ، 1998ء) 688/1۔

3۔گناہ کے مرتکب پر ارتکابِ گناہ کی وجہ سے ارتداد کا حکم لاگو نہیں کیا جائے گا، خواہ صغیرہ گناہ ہو یا کبیرہ، تاہم اگر کسی قطعی حرام کو حلال سمجھ کر گناہ کا ارتکاب کیا جائے تو اس پر کفر کا حکم لاگو کیا جائے گا۔[36]

پانچواں ضابطہ: ملزم کو عدالت میں حاضر کیا جائے

اس ضابطہ کے الفاظ یوں ہیں "یلزم حضور المتہم بالردۃ المحاکمۃ"۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص پر یہ الزام عائد ہوجائے کہ اس نے ردت کا ارتکاب کیا ہے تو اس پر جرم کو ثابت کرنے اور کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنے کے لیے اسے حاکم/قاضی کے سامنے یعنی عدالت میں پیش کیا جائے گا اور عدالت خود ہی شرعی طریقے کے مطابق جرم کے اثبات اور فیصلہ صادر کرے گی۔

اس قسم کی سزا کے نفاذ کو اسلام میں حاکم اور قاضی کے سپرد کیا گیا ہے ، کیونکہ ایک تو اس میں فرد کی مصلحت ہے کہ اس کی جان،مال اور حقوق کی حفاظت ہوسکے ،دوسرا اگرہر شخص کو دوسرے پر سزا کے اطلاق سے معاشرے فتنہ وفساد اوربدامنی پھیلتی ہے۔ علامہ ابن فرحونؒ لکھتے ہیں: وَبِالْجُمْلَةِ فَإِنَّ إقَامَةَ الْحُدُودِ لَاتَكُونُ لِكُلِّ أَحَدٍ بَلْ وَلَا لِكُلِّ وَالٍ ، لِمَا تُؤَدِّي إلَيْهِ الْمُسَارَعَةُ إلَى إقَامَةِ الْحُدُودِ مِنْ غَيْرِهِمْ مِنْ الْفِتْنَةِ وَالتَّهَارُجِ.[37] خلاصہ یہ ہے کہ حدود قائم کرنا ہر کسی کے اختیار میں نہیں ہے، بلکہ ہر والی کے اختیار میں بھی نہیں ہے، کیونکہ حدود کے قیام میں یوں سرعت فتنہ اور فساد کا باعث بنتی ہے۔

2.2 ارتداد کی سزااور اثرات

اسلام میں ارتداد کی سزا:اسلام سے نکلنے والے شخص کے لیے شریعت کی طرف سے بیان کردہ سزا دو قسم کی ہے۔ اخروی سزا اور دنیوی سزا

---

[36] ابن ہمام،فتح القدیر،92/1۔

[37] ابراہیم بن علی ابن فرحون، تبصرۃ الحکام فی أصول الأقضیۃ ومناہج الأحکام (قاہرہ، مصر،مکتبہ الکلیات الازہریہ، 1986ء) 1/26۔

1۔اخروی سزا: جہاں تک پہلی قسم کی سزا(اخروی سزا)کی بات ہے تو اس سلسلے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ} [38]

اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور کفر کی حالت میں مرجائیں، ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوجائیں گے اور یہ لوگ جہنمی ہیں، جو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اس کے علاوہ سورہ آلِ عمران[39]،سورہ مائدہ[40] اور سورہ الزمر[41] میں بھی تقریبا اسی جیسی سزا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ قرآنی آیات کو سامنے رکھنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

اول حبطِ اعمال یعنی مرتد نے حالتِ اسلام میں جو بھی اچھا عمل کیا ہے وہ ضائع اور بے کار ہوجائے گا، جس پر اسے کسی قسم کی جزاء اور ثواب نہیں ملے گا۔ اہلِ علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا محض ارتداد سے ہی مرتد کے اعمال ضائع ہوجائیں گے یا موت تک ردت پر قائم رہنے سے اعمال ضائع ہوں گے؟فقہاء حنفیہ اور مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ جیسے ہی انسان مرتد ہوجاتا ہے،اس کے سارے اعمال ضائع ہوجائیں گے، کیونکہ قرآن کی آیات میں اس بارے میں کوئی قید نہیں ہے، بلکہ عام ہیں۔جبکہ فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مرتد موت تک ارتداد پر قائم رہے گا تو اس کے اعمال ضائع ہوجائیں گے، ورنہ اگر توبہ کرکے دوبارہ اسلام لے آیا تو اس کے اعمال ضائع نہ ہوں گے۔[42]

دوم خلود فی النار یعنی اسلام سے روگردانی کرکے کفر اختیار کرنے اور اسی پر موت تک قائم رہنے والا ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔

---

[38] البقرۃ: 217۔

[39] آلِ عمران: 86،88،90۔

[40] مائدہ:5۔

[41] الزمر:65۔

[42] ابن نجیم، البحر الرائق 137/5؛ محمد علیش، منح الجلیل 222/9؛ نووی، المجموع المہذب 6/3۔

2-دنیوی سزا: جہاں تک مرتد کی دنیوی سزا کی بات ہے تو اس سلسلے میں قرآن میں کوئی صریح اور واضح حکم موجود نہیں ہے، لیکن بعض اہلِ علم نے بعض آیات سے ارتداد کی سزا پر استدلال کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

1۔ بعض اہلِ علم نے آیتِ محاربہ[43] سے قتلِ مرتد کی سزاپر استدلال کیا ہے۔امام بخاریؒ نے مرتد کی سزا سے متعلق باب کے شروع میں اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔[44] اسی طرح علامہ طبریؒ نے اس بارے میں مختلف روایات نقل کی ہیں کہ یہ آیت کن کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ آیت اہلِ عرینہ کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی،جو مرتد ہوگئے تھے،لہذا ان کو اسی آیت کی بنیاد پر قتل کردیا گیا تھا۔[45]

2۔قتلِ مرتد پر شمس الائمہ امام سرخسیؒ نے سورہ فتح کی ایک آیت سے استدلال کیا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ}[46]

آپ کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ ان سے اس وقت تک قتال کا حکم ہے جب تک وہ اسلام نہیں لے آتے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں: والأصل في وجوب قتل المرتدين قوله تعالى {أو يسلمون}، قيل: الآية في المرتدين. [47]

---

[43] إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ} (المائدۃ: 33)

[44] محمد بن اسماعیل الجعفی بخاری، صحیح البخاری (قاہرہ، مصر، دارالکتب العلمیۃ 2000ء) ص: 333۔

[45] ابوجعفر محمد بن جریر طبری، تفسیر الطبری (بیروت، لبنان، مؤسسۃ الرسالۃ، 2000ء)10/ 244۔

[46] الفتح: 16۔

[47] سرخسی، المبسوط 10/ 98۔

جہاں تک احادیث وآثار کی بات ہے تو اس بارے میں کئی مرفوع اور موقوف احادیث موجود ہیں، تاہم یہاں صرف دو اہم احادیث کا تذکرہ کافی ہے، تفصیل کے لیے مفتی محمد شفیعؒ کا رسالہ "طریق السداد فی عقوبۃ الارتداد" دیکھیں۔[48]

1-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ آپﷺ نے فرمایا: مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ.[49] جس نے اپنا دین تبدیل کیا،اسے قتل کردو۔

2۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِي وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّينِ (وَالْمُفَارِقُ لِدِينِهِ) التَّارِكُ الْجَمَاعَةَ (لِلْجَمَاعَةِ)[50] جو مسلمان یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون ان تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت حلال نہیں: جان کے بدلے جان، شادی شدہ زنا کرنے والا،اور دین چھوڑنے والا اور اپنی جماعت سے الگ ہونے الا۔

ان دلائل کی بنیاد پر جمہور اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ اگر مرتد نے توبہ کرلی تواس کی توبہ قبول کرلی جائےگی، لیکن اگر وہ ارتداد پر ہی قائم رہا اور توبہ کی مہلت ملنے کے باوجود اسلام نہ لایا تو اس کی سزا قتل کی ہے۔اس نکتہ پر علامہ نووی ، علامہ ابن رشد،علامہ ابن حجر،علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن المنذر وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے۔[51] اس حد تک اتفاق کے علاوہ مندرجہ ذیل تین اہم مسائل میں اہلِ علم کا اختلاف رہا ہے:

1-مرتد کو توبہ کی مہلت دی جائےگی یا نہیں؟ کیا یہ ضروری ہے یا مستحب یا صرف جائز؟کتنی بار اور کتنے عرصے تک توبہ کی مہلت دی جائےگی؟ اس کی کچھ تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

---

[48] مفتی محمد شفیع، جواہر الفقہ (کراچی،پاکستان،مکتبہ دارالعلوم کراچی 2012ء) 130/6۔

[49] بخاری، صحیح البخاری، 128/1، حدیث نمبر: 3017۔

[50] بخاری، صحیح البخاری6/1، حدیث نمبر: 6878۔

[51] یحیی بن شرف نووی، المنہاج (بیروت،لبنان،دارابن حزم،2011ء) 208/12۔ محمد بن احمد ابن رشد قرطبی، بدایۃ المجتہد (قاہرہ،مصر،دارالکتب العلمیہ 1990ء)242/4،ابن حجر، فتح الباری58/12۔

2-مرتد کو قتل کرنا حد ہے یا تعزیر؟اس سلسلے میں جمہور اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ مرتد کی سزا حد ہے، جس کو ترک کرنا،یااس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے۔[52] جبکہ فقہاء حنابلہ کی ایک روایت اور شیعہ امامیہ کی رائے یہ ہے کہ مرتد کی قتل کی سزا تعزیر ہے،جو آپﷺ نے بطورِ حاکم، سیاستِ شرعیہ اور مصلحت کی بنیاد پر جاری فرمائی تھی، جس میں حاکم اپنے اجتہاد سے تغیر وتبدل کرسکتا ہے، کیونکہ اگر یہ سزا حد ہوتی تو توبہ کی وجہ سے معاف نہ ہوتی۔[53] جہاں تک حنفیہ کی رائے ہے تو ان کے ہاں ارتداد کی سزا کا ذکر حدود میں نہیں ہے، بلکہ سیر میں ہے، اس سے بعض معاصر اہلِ علم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کہ ارتداد کی سزا حنفیہ کے ہاں حد نہیں، بلکہ تعزیر ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے۔حنفیہ کے ہاں ارتداد کی سزا حد ہی ہے، اس پر علامہ شامیؒ نے اپنے رسالہ ”تنبیہ الولاۃ والحکام“ میں تفصیل سے لکھا ہے کہ اس میں حد کی تمام صفات پائی جاتی ہیں اور ان اعتراضات کے جوابات بھی لکھے ہیں جو اس سزا کے حد ہونے پر کیے جاتے ہیں۔ڈاکٹر محمد مشتاق صاحب نے اس رسالہ کے انگریزی ترجمہ کے مقدمہ میں بھی اس پر لکھا ہے۔

3-تیسرا اختلافی نکتہ یہ ہے کہ کیا مرد اور عورت کی سزا الگ الگ ہے یا ایک؟ اس بارے میں جمہور اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ عورت کی سزا بھی مرد کی طرح قتل ہی ہے، یہ رائے حضرت ابوبکرصدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے۔ان حضرات ان ان عمومی احادیث اور دلائل سے استدلال کیا ہے،جن میں مرتد کی سزا قتل بیان ہوئی ہے۔[54] حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے قید میں ڈال دیا جائے گا،یا توبہ کرکے اسلام لے آئے یا ہمیشہ کے لیے قید میں ہی رہے۔[55]اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں ارتداد بذات خود”حرابہ“ ہے اور حرابہ کی سزا میں عورت کو قتل نہیں کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی دلائل سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، مثلا ایک دلیل وہ عمومی حدیث ہے جس میں آپﷺ نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔[56]دوسرا مرتد کی سزا سے متعلق حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی، جبکہ خود ان کی رائے یہ ہے کہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ تفصیل کے لیے فقہی کتب دیکھی جاسکتی ہیں۔

---

[52] شافعی، الأم 168/7؛ نووی، المجموع 100/20۔

[53] ابن قدامہ، المغنی8/9۔

[54] ابن رشد، بدایۃ المجتهد462/2؛ ابن قدامہ، المغنی 123/8۔

[55] سرخسی،المبسوط109/10۔

[56] محمد بن عیسی ترمذی، سنن الترمذی (بیروت،لبنان،دار احیاء التراث العربی،1990ء) 4/ 136، حدیث نمبر: 1569۔

مرتد کی شرعی سزا پر معاصر مفکرین کی آراء مختلف ہیں، کچھ حضرات قتلِ مرتد کا انکار کرتے ہیں، جبکہ کچھ حضرات بعض خاص صورتوں پر ہی قتل کی سزا تجویز کرتے ہیں،لیکن جمہور اہلِ علم کی رائے وہی ہے جو اوپردلائل کی روشنی میں بیان ہوچکی ہے،مزید تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

ارتداد کے دیگر اثرات :مرتد کی اخروی اور دنیوی سزا کے علاوہ، اس کے مال اور دیگر حقوق پر بھی ارتداد کی وجہ سے اثر پڑتا ہے، جن کی تفصیلات کو مندرجہ ذیل نکات میں بطورِ خلاصہ پیش کیا جائے گا: 1-مرتد کے مال پر اثر، 2-مرتد کے تصرفات پر اثر، 3-مرتد کی میراث، 4-مرتد کی زوجیت پر اثر

1-مرتد کے مال پر اثر: ارتداد کی وجہ سے مرتد کے مال پر کیا اثرپڑتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں۔ جمہور علماء،حنفیہ میں سے صاحبین اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ مرتدکی توبہ اور موت تک اس کے مال پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ اس کا مالک بدستور اس کی ملکیت میں رہے گا، کیونکہ ارتداد سے نفس کی معصومیت اور محفوظ ہونا ختم ہوتا ہے، لیکن ملکیت پر فرق نہیں پڑتا،لہذا جس طرح اصل کافر کی ملکیت ہے،اسی طرح مرتد کی ملکیت بھی ہے۔ اگر اس نے توبہ کرلی تو ٹھیک، ورنہ موت تک ارتداد پر قائم رہنے سے اس کا مال "مالِ فیئ" شمار کیا جائے گا اور حاکم اپنی صوابدید سے جہاں چاہے،خرچ کرسکتا ہے۔[57]

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مرتد کا مال اسی وقت "مال فئ"ہوجائے گا۔[58] امام ابوحنیفہ کا قول اورامام شافعی ومالک کا راجح قول یہ ہے کہ مرتد کا مال اس کی ملکیت سے عارضی طور پر نکل جائے گا،اگر اس نے توبہ کرلی تو دوبارہ اس کی ملکیت میں آجائے گا، ورنہ "مالِ فئ"قراردیا جائے گا۔[59]

2-مرتد کے تصرفات پر اثر: جہاں تک مرتد کے مالی معاملات اور تصرفات کی بات ہے تو اس سلسلے میں بھی اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں، بعض کی رائے میں اس کے تصرفات درست ہیں، بعض کے ہاں باطل اور بعض کے ہاں موقوف ہیں،تاہم اسلسلے میں حنفیہ کی رائے کچھ تفصیلی ہے۔ ان کے ہاں عورت کی ملکیت پر ارتادا کی وجہ سے کوئی اثر نہیں پڑتا، تاہم مرد کے ارتداد کے بعد اس کے تصرفات چار قسم کے ہیں:

---

[57] سمرقندی، تحفۃ الفقہاء310/3،ابن قدامہ،المغنی 128/8

[58] ابراہیم بن علی شافعی شیرازی،المہذب (بیروت، لبنان، دارالفکر، 1990ء) 223/2

[59] سرخسی، المبسوط 104/10،شربینی، مغنی المحتاج 142/4

1-نافذ تصرفات: وہ اعمال جن میں ملکیت کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسے طلاق اور عتاق وغیرہ، البتہ ارتداد سے زوجیت پر کیا اثر پڑتا ہے،اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

2-باطل تصرفات: وہ اعمال جن کی بنیاد دین اور ملت ہے، جیسے نکاح اور ذبیحہ۔ مرتد کے ایسے اعمال باطل ہوں گے۔

3-موقوف تصرفات: وہ اعمال جو مساوات اور برابری کے متقاضی ہوتے ہیں، جیسے شرکتِ مفاوضہ وغیرہ۔

4-اختلافی تصرفات: وہ تمام مالی معاملات جن کا تعلق ملکیت اور مال کے ساتھ ہیں، جیسے خریدوفروخت وغیرہ۔امام ابوحنیفہؒ کے ہاں یہ اعمال موقوف رہیں گے، جبکہ صاحبین کے ہاں نافذ ہوں گے۔ [60]

3-مرتد کی میراث: جب مرتد کا کفر کی حالت میں انتقال ہوجاتا ہے تو اس کے مال سے قرضے اور اس کی اولاد وغیرہ کا نان ونفقہ دیا جائے گا، کیونکہ ارتداد کی وجہ سے اس پر لازم شدہ حقوق ضائع نہیں ہوتے۔ میراث کے سلسلے میں دو نکات ذہن میں رکھنا ضروری ہیں:

1-اس بات پر تقریبا اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ مرتد کی زندگی میں اگر اس کے رشتہ داروں میں سے کسی مسلمان کا انتقال ہوتا ہے تو مرتد کو اس کی وراثت میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔، کیونکہ اس بات پر واضح احادیث موجود ہیں کہ کافر، مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔[61] اسی طرح مرتد کو کسی کافر رشتہ دار سے بھی بطورِ میراث کچھ نہیں ملے گا۔[62]

2-اگر مرتد کا کفر کی حالت میں انتقال ہوجاتا ہے تو کیا اس کا مال اس کے مسلمان ورثاء کو ملے گا یا "مالِ فئ"بن کر بیت المال میں جائے گا؟ اس سلسلے میں اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں۔امام مالک، امام شافعی اور امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ اس کا مال "مال فئ"بن کر بیت المال میں جائے گا، اس کے

---

[60] وہبہ زحیلی، الفقہ الإسلامي وأدلتہ (بیروت، لبنان، دارالفکر، 2010ء) 190/6۔

[61] ترمذی، سنن الترمذی 4/ 423، حدیث نمبر: 2107 ۔

[62] سرخسی، المبسوط 100/10۔

کسی مسلمان وارث کو نہیں ملے گا۔[63]، جبکہ فقہاء حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ عورت کا مال تو سارا اس کے مسلمان ورثاء کو ملے گا، جبکہ مرد مرتد نے حالتِ اسلام میں جو مال کمایا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء کو شرعی اصولوں کے مطابق ملے گا اور جو مال اس نے ارتداد کے بعد کمایا ہے،اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ بیت المال میں جائے گا، جبکہ صاحبین کی رائے یہ ہے کہ وہ بھی مسلمان ورثاء کو ملے گا۔[64]

4-مرتد کی زوجیت پر اثر: مرتد نےچونکہ دین کے سلسلے میں فساد اوربگاڑ کو اختیار کیا ہے ، اس لیے ارتداد کی وجہ سےاس کی زوجیت کے تعلق پر بھی اثرپڑتا ہے۔ اس قسم کے مسائل اور ان میں اہلِ علم کی آراء اور دلائل کافی تفصیل طلب ہے۔ مثلاً میاں بیوی میں سے کسی ایک کے ارتداد کے اثرات،دونوں کی یکبارگی ارتداد کے اثرات، رخصتی سے قبل اور رخصتی کے بعد ارتداد کا فرق اور ارتداد کی وجہ سے واقع ہونے والی جدائی "طلاق" ہے یا "فسخِ نکاح"؟ یہاں ان مسائل کی تفصیل کا موقع نہیں ہے، تاہم مختصراً یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اہلِ علم نے کئی قرآنی آیات اور احادیث سے استدلال کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے جو شخص اسلام سے پلٹ جاتا ہے اسی وقت اس کی زوجیت منقطع ہوکر میاں بیوی کے درمیان فرقت ہوجائےگی، جس کے بعد کسی مسلمان بیوی کے لیے مرتد شوہر کے ساتھ یا کسی مسلمان مرد کے لیے کسی مرتدہ عورت کے ساتھ زوجیت کے رشتہ کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے۔[65]

2.3 ارتداد اور وضعی قوانین

1-ارتداد اور بین الاقوامی انسانی حقوق: اقوام متحدہ کے عالمی منشور برائے انسانی حقوق میں کسی بھی دین کو چھوڑنے اور کسی بھی دوسرے دین کو اختیار کرنے کی مکمل آزادی دی گئی ہے اور اسے حریتِ فکر اور ضمیر کی آزادی کا حق قراردیا ہے، چنانچہ دفعہ نمبر 18میں ہے کہ:

> Everyone has the right to freedom of thought, conscience and religion; this right includes freedom to change his religion or belief, and freedom, either alone or in community

---

[63] محمد بن احمد کلبی غرناطی، القوانین الفقھیۃ (قاہرہ،مصر،دارالکتب العلمیہ1999ء) 370؛ نووی، المجموع 237/19
[64] سرخسی، المبسوط 100/10۔
[65] امام مالک بن انس، المدونۃ الکبری (قاہرہ،مصر،دارالکتب العلمیہ1990ء) 220/2؛ ابن حزم،المحلی449/9۔

with others and in public or private, to manifest his religion or belief in teaching, practice, worship and observance.[66]

ہر انسان کو فکر اور ضمیر کی آزادی کا اور آزادیِ مذہب کا مکمل حق حاصل ہے۔ اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے ، اعلانیہ یا نجی طور پر، تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

اس منشور کی مذکورہ دفعہ کلی طور پر اسلامی قانون کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں مذہب کی تبدیلی پر سزا تودرکنار، اس کو باقاعدہ انسان کا حق قراردیاگیا ہے۔ اس اختلاف اور ٹکراؤ کی پشت پر دو بڑی بنیادیں موجود ہیں: ایک یہ کہ اقوام متحدہ کے عالمی منشور کا ماخذ اور منبع انسانی سوچ اور عقلِ مجرد ہے،لہذا جن چیزوں کو ان کے اجتماعی عقل ودانش نے قبول کیا، انہیں حق کا نام دے کر قانون کی شکل دے دی گئی، اسی لیے "تبدیلی مذہب" کو بھی انسانی حق قراردیا گیا، جبکہ اسلامی قانون کے اولین مآخذ قرآن وسنت یا بالفاظِ دیگر عقل سے اعلی درجہ کی چیز "وحی الہی" ہے۔وحی الہی کو چھوڑ کر صرف عقل کی بنیاد پر کسی بھی شرعی قانون میں تغیر وتبدل یااسے منسوخ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لہذا"تبدیلی مذہب" کے حوالے سے وہی قانون رہے گا جو اسلام نے بذریعہ وحی بتلایا ہے، اس میں انفرادی یا اجتماعی دانش کی بنیاد پر تغیر وتبدل کی اجازت نہیں ہے۔

دوسری بنیاد یہ ہے کہ اہلِ کلیسا کے ظلم وجبر کے رد عمل کے طور پر بھی اور استعماری مفادات کے حصول کے لیے بھی اہلِ یورپ نے مذہب کو معاشرتی نظام اور سیاسی معاملات سے بالکل الگ کردیا، چنانچہ عیسائیت کے ساتھ یہی ہوا کہ ان کے دین دار طبقہ کو معاشرہ اور سیاست سے کاٹ کر گوشہ نشین کرکے رہبانیت میں ڈال دیا گیا۔ اسی لیے حکومت اور قوانین کی بناء میں مذہب کو بالکل نظر انداز کردیا گیا اور دیگر نتائج کی طرح تبدیلی مذہب میں آزادی بھی قانون کا حصہ بن گئی،لیکن اس کے بالمقابل اسلام رہبانیت کی نفی کرتا ہے۔ اور اسلامی تعلیمات کے مطابق مذہب کا سیاسی معاملات کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور سیاست دین کا حصہ بن کر معاشرے کی ضروریات اور مشکلات کا حل پیش کرے گی۔ اسی لیے سیاسی معاملات

[66] "Universal Declaration of Human Rights," (1948), art. 18 http://www.jus.com.

ہوں،قانون سازی کا کوئی مرحلہ ہو یا معاشرتی نظام کی بناء رکھنی ہو، بہرصورت اسلامی قوانین کو مدنظر رکھنا ضروری ہےاور قرآن وسنت کے کسی بھی قانون کی خلاف ورزی کرنے کی اجازت نہیں ہے، لہذا تبدیلی مذہب میں آزادی کی اجازت اسلام نے نہیں دی اور نہ ہی اس آزادی کو کسی بھی مسلمان ریاست کے قانون کا حصہ بنانے کی اجازت دی جائےگی۔

اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے مذکورہ دفعہ سے متعلق دو سوالات نہایت اہم ہیں:

1. کیا تبدیلی مذہب کو حریت فکر وتعبیر کہہ کر انسانی حق قراردیا جاسکتا ہے؟ اور انسان کو اس کی کھلی آزادی ہونی چاہیے؟
2. تبدیلی مذہب پر سزائے موت خلافِ عقل یا ناقابلِ عمل ہے؟ کیا سزائے موت کی موجودہ دور میں کوئی قابلِ عمل صورت نہیں ہے؟ کسی بھی جرم پر ایسی سزا نہیں دی جاسکتی؟

1-کیا تبدیلی مذہب، حریت فکر اور انسانی حق ہے؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ "تبدیلی مذہب"کو حریتِ فکر اور انسانی حق قراردینا عقل اور دانش کے مطابق ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں کچھ گزارشات ذہن میں رکھنا ضروری ہیں:

1-اگرقرآن وسنت کی نصوص میں غور کیا جائے تو ہمارے سامنے دو قسم کی نصوص آتی ہیں: ایک قسم ان نصوص کی ہے جن میں مذہب اور دین کے سلسلے میں مکمل آزادی دی گئی ہے اور اس سلسلے میں جبر واکراہ کی نفی کی گئی ہے، جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ } [67]

{لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ} [68]

---

[67] البقرۃ: 256.
[68] الغاشیۃ: 22-

{أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ}[69]

دوسری قسم کی نصوص وہ ہیں جن میں وحی کی حاکمیت کا تذکرہ ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ وحی کے فیصلے کے بعد مؤمنین کے لیے انسانی منشا پر عمل کرنے اور وحی کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے اور انہی نصوص میں سے بعض سے ارتداد کی سزا کا بھی علم ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا}[70]

بظاہر نصوص کی یہ دو اقسام ایک دوسرے سے ٹکراتی اور ایک دوسرے کی مخالفت کرتی نظر آتی ہیں، لیکن یہ غلط فہمی ہے جو اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ دونوں قسم کی نصوص کو ایک ہی محل وموقع کے ساتھ متعلق کردیاجاتا ہے، حالانکہ ان دونوں قسم کی نصوص کا تعلق دو الگ الگ مواقع و محل اور الگ احوال کے ساتھ ہیں:

پہلی قسم کی نصوص کا تعلق ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ابھی تک ایمان نہیں لائے، نہ ہی انہوں نے اسلام کے اوامر ونواہی اور احکام کو ماننے کا التزام کیا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں یہی حکم ہے کہ ان کو صرف اسلام کی دعوت، تذکیر اور نصیحت ہی کی جاسکتی ہے، ان پر ایمان لانے کے لیے کسی بھی قسم کا جبر واکراہ کی اجازت نہیں ہے۔

نصوص کی دوسری قسم ان لوگوں کے بارے میں بات کرتی ہے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور دینِ اسلام کو مان کر ، اس کے احکام کا التزام کرلیا ہے۔چنانچہ اس قسم کی نصوص میں مؤمن اور مؤمنہ کو مخاطب کیا گیا ہے اور اس پر وحی کے مطابق عمل کرنے کو لازم اور دینِ اسلام سے پلٹ جانے کی صورت میں سزا کے اطلاق کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ دینِ اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت ہوسکے اور اس کو منافقین اور شرپسند ایک کھلواڑ نہ بنادے۔

---

[69] یونس: 99-

[70] الأحزاب: 36-

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اصلا ہی کافی ہے تو اس پر اسلام لانے کے لیے کسی بھی قسم کی زبردستی کرنا جائز نہیں ہے، نہ ہی اس کے کفر پر رہنے پر اسے کسی قسم کی سزا دی جاسکتی ہے، یہ اس کا اپنا اختیار ہے، چاہے تو اسلام قبول کرے، چاہے تو قبول نہ کرے۔ لیکن اگر کسی کافر نے اپنے اختیار اور رضا سے ایک مرتبہ اسلام کو قبول کرلیا، اس پر مسلمانوں کے ہی احکام لاگو ہوں گے، اگر وہ اسلام سے پلٹتا ہے تو اسے شکوک وشبہات دور کرنے کی اور توبہ کی مہلت دی جائےگی، ورنہ اس پر ارتداد کی سزا کا اطلاق ہوگا۔

وحی کے ذریعے جو ان دونوں احوال کی تفریق کی گئی ہے، اس کی تائید خود عقل اور عصری قوانین سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ جس شخص نے کسی قانون کا سرے سے التزام ہی نہیں کیا، اس پر اس قانون کی مخالفت کا اطلاق یا سزا لاگو نہیں کی جاتی ، لیکن ایک مرتبہ قانون کا التزام کرنے کے بعد اگر اس کی مخالفت کی جاتی ہے تو تقریبا تمام عصری قوانین میں اس کے لیے سزا تجویز کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی معاصر قوانین میں اس کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں، مثلا:

1۔اگر کوئی آدمی اپنے اختیار آزادانہ الیکشن کے ذریعے کسی حکومت منتخب کرکے ووٹ دے دیا اور حکومت نے اقتدار سنبھالنے کے بعد ایک قانون بنایا تو اس آدمی پر اس قانون کا لازم ہی سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہ آکر کہتا ہے کہ مجھے آزادی ہے کہ میں اس قانون کو مانوں یا نہ مانوں، کیونکہ میں اس حکومت کو منتخب کرنے کے لیے آزاد تھا تو تمام سمجھدار لوگ اس بات پر متفق ہوں گے کہ یہ طرز عمل جائز نہیں ہے اور الیکشن سے پہلے آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ شخص منتخب حکومت کے طے کردہ قانونی ذمہ داری سے الگ ہو جائے۔

2-جو ملک بین الاقوامی معاہدوں میں شریک ہوتا ہے تو ان کی خلاف ورزی کے لیے جوابدہ ٹھہرایا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی اس قسم کے معاہدوں میں شامل ہی نہ ہو،اس کی مخالفت پر اس سے کسی قسم کی جوابدہی نہیں کی جاتی۔

3-وہ غیر ملکی افراد جو اپنے ملک سے نکل کر کسی دوسری ریاست کی سرحدوں کے اندرقانون کے مطابق داخل ہوجاتے ہیں،ان کر اس ریاست کے قوانین کی خلاف ورزہ پر سزا دی جاتی ہے، لیکن جب تک وہ اس ریاست سے باہر ہوتے ہیں، ان کو مکمل اختیار ہوا ہے کہ چاہے تو اس ریاست کے قانون کو تسلیم

کرکے ریاست کی حدود میں داخل ہوجائیں یا داخل نہ ہوں، لیکن قانون کے التزام کے بعد اس قسم کا اختیار نہیں ہوتا۔اس کے علاوہ بھی اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عصری قوانین میں حکومت اور حاکم کو یہ اختیار دیا گیا ہے قانون کا التزام کرنے اور نہ کرنے والوں اور ان کی سزاوں میں فرق کرے۔ بالکل اسی طرح وحی الہی نے بھی دونوں احوال میں فرق کیا ہے اور جس نے اسلام لایا، اپنے آپ کو شریعت کے احکام کے تابع کردیا، اس پر دین سے ارتداد کی سزا دی جائےگی۔

2۔ جہاں تک تبدیلی مذہب کو "عقیدہ کی آزادی" یا "انسانی حق" کہنے کی بات ہے تو اس سلسلے میں چند نکات سمجھنا ضروری ہیں:

الف-پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے انسانی حق وہی ہے،جسے اسلام نے حق قراردیا ہے، عقلِ مجرد سے کسی ذاتی خواہش یا کسی بھی چیز کو انسانی حق قرارد ینے کی اجازت نہیں ہے،کیونکہ محض عقل کوئی ایسا معیار نہیں ہے جس کی بنیاد پر کسی چیز کو حق قراردیا جاسکے۔

ب-اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل وشریعت دونوں کا تقاضا ہے کہ انسان کو عقیدہ کی آزادی ہونی چاہیے اور اسلام نے یہ آزادی دی بھی ہے، لیکن یہ آزادی مطلق نہیں ہے، بلکہ اس کی کچھ حدود ہیں، جن کے اندر رہ کر اس آزادی کو استعمال کیا جاسکتا ہے اور کسی بھی ایسے محرک اور آزادی کو ضروری حدود سے محدود کرنا عقل کے بالکل بھی خلاف نہیں ہے،ایسے کئی دیگر محرکات ہیں جن کو خود عقل ومعاصر قوانین نے بھی حدود سے محدود کردیا ہے، مثلا ملکیت کی آزادی، نقل و حرکت کی آزادی، زندہ رہنے کی آزادی وغیرہ۔

ج-ارتداد کی سزا کو "عقیدہ کی آزادی" کے منافی قراردینا درست نہیں ہے، کیونکہ عقلی طور پر محض یہ بات تو قابلِ طعن وتشنیع نہیں بن سکتی کہ کسی قانون میں کچھ پابندیاں عائد کی گئی ہیں یا کسی آزادی کی حدود مقرر کی گئی ہیں، بلکہ عقلی طور پر غور طلب سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا اس قانون کے ذریعے آزادی کو محدود کرنے یا پابندیاں عائد کرنے میں عوام کی مصلحت ،معاشرے کی بقاء اور قوانین کی تعمیر زیادہ ہے یا اس قانون اور آزادی کو غیر محدود اور بے لگام چھوڑنے میں زیادہ مصلحت اور فائدہ ہے؟

اگر غور کیا جائے تو عقلا یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون کو پابندیوں اور حدود کے ساتھ مقید کیا جائے، کیونکہ خود آزادی کے حامیوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عقیدہ کی یہ آزادی اس شرط اور قید کے ساتھ محدود ہے کہ دوسروں کے خلاف جارحیت نہ ہو۔ لہذا اگر کوئی مذہب یہ قید یا حد بندی کرتا ہے کہ اس مذہب کو اختیار کرنے نہ کرنے کی مکمل آزادی ہے، لیکن اس کو تسلیم کرنے کے بعد اس سے پلٹ جانا خود اس مذہب کے خلاف جارحیت ہے اور اس جارحیت کے مرتکب کو سزا دی جائےگی۔ اسی دو جہتی تفریق میں مذہب اور عوام دونوں کی مصلحت ہے، ورنہ بصورت دیگر لوگ اس مذہب سے کھیلیں گے اور اس مذہب کی کوئی حرمت نہیں ہوگی اور کسی قومیت کے استحکام کے ساتھ چھیڑ چھاڑ سے، اسے کھیل بنانے سے بچانے سے کہیں زیادہ اہم یہ ہے کہ اپنے مذہب اور عقیدہ کو کھیل بنانے سے بچایا جائے۔

3-تبدیلی مذہب کو "حریتِ فکر" یا "آزادی رائے" (freedom of thought) کہنا اس لیے درست نہیں ہے کہ یہ محض رائے نہیں ہے، بلکہ ایک معاہدہ کی خلاف ورزی ہے، کیونکہ ایک شخص نے مسلمان ہوکر اسلام کی شرائط پر عمل کرنے کا معاہدہ کرلیا اور اب اس معاہدہ کو توڑرہا ہے تو دوسرے فریق کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اسے سزا دے۔

2-کیا سزائے موت، خلافِ عقل اور ناقابلِ عمل ہے؟

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے کہ کیا سزائے موت ایک ظلم ہے؟ کیاتبدیلی مذہب پر سزائے موت خلافِ عقل یا ناقابلِ عمل ہے؟ کیا سزائے موت کی موجودہ دور میں کوئی قابلِ عمل صورت نہیں ہے؟ کسی بھی جرم پر ایسی سزا نہیں دی جاسکتی؟

اس حوالے سے شرعی تصور یہ ہے کہ معاشرے کو فساد اور بگاڑ سے بچانے ، لوگوں کی مصالح اور جرائم کے علاج کے لیے شریعت نے مختلف سزائیں مقرر کی ہیں، جہاں جن جرائم میں سختی کی ضرورت تھی وہاں سختی اور جہاں نرمی کی ضرورت تھی وہاں سزا میں تخفیف سے کام لیا ہے، چنانچہ بعض جرائم (جیسے قتلِ نفس عمد، زنا اور ارتداد) پر سزائے موت بھی مقرر کی ہے۔

قتل کی سزا کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ سزا سابقہ اقوام میں بھی رہی ہے اور عصرِ حاضرمیں بھی یہ سزا کئی ممالک میں بدستور قائم ہے، چنانچہ چین میں بعض جرائم پر قتل کی سزا مقرر تھی، جاپان

میں سولی پر لٹکانے کی سزا طے کی گئی تھی۔[71]ہندوستان میں برہمن کے علاوہ کسی اور کے قتل پر سزائے موت مقرر تھی۔[72] یونانی قانون میں فرد کو یہ حق دیا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی قریبی رشتہ دار خاتون کو فحش عمل میں دیکھے تو اسے فورا قتل کردے۔[73]روم کے قوانین میں سب سے زیادہ سختی تھی، چنانچہ باپ کو مکمل اختیاردیا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو کوڑے مارے، جیل میں ڈالے یا قتل کردے۔[74]

دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا بھر میں قتل کی سزا پر پابندی کا رجحان غالب آیا، چنانچہ 1977ء میں تقریبا سولہ ممالک نے اس سزا پر پابندی عائد کردی تھی۔ ایک رپورٹ کے مطابق 2010ء تک95 ممالک نے سزائے موت پر پابندی عائد کرلی تھی، لیکن اس سزا کے خاتمہ کی تحریک کے باوجود بہت سے ممالک نے اب تک سزائے موت کو برقرار رکھا ہے،بلکہ کچھ ممالک نے اس کا دائرہ بڑھا دیا ہے۔ 30 سے زائد ممالک نے بعض منشیات کی درآمد اور فروخت کے لیے بھی سزائے موت کا قانون بنایا ہے۔ 58 ممالک میں یہ سزا بدستور قانون کا حصہ ہے، جیسے چائنہ، انڈیا، امریکہ کے بعض اسٹیٹ،انڈونیشیا، پاکستان، بنگلہ دیش،نائجیریا، مصر، سعودی عرب، ایران، جاپان اور تائیوان وغیرہ اور دنیا کی ساٹھ فیصد آبادی ان ہی ممالک میں آباد ہے جنہوں نے اس سزا کو قانون کا حصہ بنایا ہوا ہے۔ [75]

حاصل یہ ہے کہ قتل کی سزا کو کلی طور پر انسانی حقوق کے خلاف قراردینا یا خلافِ عقل کہنا درست نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ کونسا جرم اتنا قبیح اور بڑا ہے کہ اس پر سزائے موت دی جائےگی؟ اس سوال کا جواب مختلف قوانین میں مختلف دیا گیا ہے اور شریعت میں کسی انسان کو جان بوجھ کرقتل کرنے، شادی شدہ محصن شخص کے زنا کرنے اور ارتداد پر اس سزا کا اطلاق کیا گیا ہے، کیونکہ شریعت کی نظر میں یہ انتہائی درجے کے جرائم ہیں، جن کے مفاسد صرف مجرم کی ذات تک محدود نہیں رہتے، بلکہ مکمل معاشرے کے فساد اور بگاڑ کا سبب بنتے ہیں۔

---

[71] زکی نجیب محمود، کتاب قصۃالحضارۃ (بیروت،لبنان،دارالجیل2012ء) 4/ 19-111۔

[72] زکی، کتاب قصۃ الحضارۃ، 167/3۔

[73] ایضا، 7/ 38۔

[74] Roger Hood, "Capital Punishment | Definition, Debate, Examples, & Facts," in *Britannica*, March 21, 2023, https://www.britannica.com/topic/capital-punishment.

[75] Ibid.

2.3 ارتداداور مسلم ممالک کے قوانین

اکثر معاصر اسلامی ممالک کے قوانین میں عمومی طور ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس کے مطابق اسلام سے پلٹنے والے اور ارتداد کا ارتکاب کرنے والے پر کوئی حد اور سزا کا اطلاق کیا جاسکے۔ اس جرم کی سزا طے نہ کرنے کا یہی مطلب ہے کہ ان اسلامی ممالک نے بھی اقوامِ متحدہ کے عالمی منشور کے مطابق ارتداد کے اس عمل کو حریتِ فکر اور انسانی حق مان لیا ہے اور اسی پر خاموشی اختیار کرلی ہے۔

بعض اسلامی ممالک میں ارتداد کی سزا کا قانون شرعی موجود ہے، چنانچہ سوڈان کے قانون میں مرتد کی سزا قتل مقرر تھی، لیکن بعد میں اسے ختم کردیا گیا۔[76] یمن کے قانون میں بھی ارتداد کو ان جرائم میں شمار کیا گیا ہے جن پر قتل کی سزا دی جائےگی۔ماریٹانیا کے قانون میں بھی مرتد کی سزا قتل ہے اور اس کا مال بیت المال میں دینے کا حکم موجود ہے۔سعودیہ ،قطر اور افغانستان میں بھی ارتداد کی سزا قتل مقرر کی گئی ہے۔[77]

جہاں تک پاکستانی قانون کی بات ہے تو پی پی سی(PPC) قوانین وترامیم کے مطابق(295-C) سرورِ دو عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا موت یا عمر قید لکھی ہے،لیکن پاکستانی معاصر قوانین میں ارتداد پر سزائے موت کا واضح قانون موجود نہیں ہے، نہ ان سوالات کے تفصیلی جوابات قانون میں موجود ہیں کہ ارتداد کی جامع تعریف کیا ہے جس کی بنیاد پر کسی کو مرتد قراردیا جائے؟ مرتد کے قتل کی سزا انفرادی معاملہ ہے یا حکومتی؟ اب تک کسی ایک عدالت نے بھی مرتد کے قتل کی سزا کا فیصلہ سنایا ہے؟ سزائے موت کا طریقہ کیا ہوگا؟ پھانسی یا کوئی اور؟

2007ء میں پارلیمنٹ نے ایک بل قومی اسمبلی پیش کیا تھا جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ:"مرتد کو قتل کیا جائے اور مرتدہ کو عمر بھر قید کیا جائے۔"، لیکن قومی اسمبلی میں یہ بل بھاری اکثریت سے مسترد ہوگیا تھا۔[78]

---

[76] القانون الجنائی السودانی، مادۃ:126، 1991، و 2020۔

[77] عبد اللہ الفالح ،عقوبۃ الردۃ فی الفقہ الاسلامی (سعودیہ، جامعہ نایف العربیہ للعلوم الامنیہ، کلیۃ الدراسات العلیا)130۔

[78] Hanibal Goitom, "Laws Criminalizing Apostasy in Selected Jurisdictions" (USA: The Law Library of Congress, Global Legal Research

3- خاتمہ: نتائج و سفارشات

1-اگر کوئی مسلمان اپنے اختیار سے ارتداد کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ ایک ایسا جرم ہے جس کی شرعی سزا قتل ہے اور اس بات پر جمہور اہلِ علم کا اتفاق ہے۔

2-ارتداد کی اصلی سزا(قتل) کے علاوہ بھی انسان پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، چنانچہ اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، اس کے مال، معاملات و تصرفات، اس کی میراث اور زوجیت پر بھی مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

3-مرتد کو سزا دینا دیگر حدود کی طرح حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے، لہذا اس سزا کے اطلاق کے لیے تمام ضوابط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جیسے ارتداد کی شرائط موجود ہوں، موانع موجود نہ ہوں، شرعی طریقے سے ارتداد ثابت ہو جائے، مرتد کو باقاعدہ توبہ کی مہلت دی جائے۔ ثبوتِ جرم کے بعد اور مہلت ملنے کے باوجود اگر مجرم توبہ نہیں کرتا تو مرد ہونے کی صورت میں اس کو سزائے موت، جبکہ عورت ہونے کی صورت میں عمر قید کی سزا دی جائے۔

4-اقوام متحدہ کے عالمی منشور کی دفعہ نمبر18، شرعی قوانین کے خلاف ہے، اس کے بجائے مسلم ممالک کو دینِ اسلام کی فکری اساس کی حفاظت کے لیے جامع قانون سازی کرنی چاہیے، جیسا کہ بعض مسلم ممالک میں ارتداد کا شرعی قانون موجود ہے۔

5-ارتداد پر سزائے موت نہ انسانی حقوق کے خلاف ہے، نہ یہ حریتِ فکر اور انسانی آزادی کے خلاف ہے، کیونکہ ارتداد محض آزادانہ فعل نہیں، بلکہ ایک معاہدہ کی خلاف ورزی ہے۔

6-قتل کی سزا کو بھی بالکلیہ عقل کے خلاف سمجھنا درست نہیں ہے اور یہ ایسی سزا نہیں ہے جو اسلامی شریعت ک علاوہ دنیا میں دیگر اقوام یا ممالک میں نہ ہو، بلکہ یہ سزا اب بھی کئی ممالک میں مختلف جرائم کے لیے بدستور قائم ہے۔

Directorate, 2014), 11, https://tile.loc.gov/storage-services/service/ll/llglrd/2014434112/2014434112.pdf.

7-پاکستان پینل کوڈ کے مطابق ارتداد اختیار کرنے والے کی سزا قتل ہے، لیکن یہ ایک مجمل قانون ہے، نہ تو اس حوالے سے مکمل قانون سازی کی گئی ہے اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا عمل درآمد ہوا ہے۔

8-اس حوالے سے اہلِ علم اور علماء کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس موضوع پر تحقیق کر کے اختلافی جزئی مسائل میں بھی اور اس حوالے سے قانون سازی میں بھی اپنا کردار ادا کریں۔

★★★★★★★★★★★★